

کلمہ کریم ہے نیکو و نیکو اور برحق و بار
 اعداء کے لیے وہ شرمناک و شرمناک

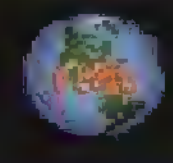


اسلامی حضرت کا قلمی جہاد

شیخ الاسلام و تنظیم حضرت مولانا

مفت محمد رفیع الرحمن صاحب مدظلہ العالی

مفت محمد رفیع الرحمن صاحب مدظلہ العالی



مکتبہ امام غزالی

مبسملاً و محمد لا و مصلياً و مسلماً على امام الانبياء والمرسلين

و على آله الطيبين و اصحابه الطاهرين و على اولياء امته الكاملين و علماء ملتہ الراسخين

اما بعد! قیامت میں شہدا کا خون اور علماء کی سیاہی تولے جائیں گے تو علماء کی کتابوں کی لکھی ہوئی سیاہی غلبہ پا جائے گی ان خوش بخت علماء کرام میں اعلیٰ حضرت عظیم المہرکت شیخ الاسلام والمسلمین امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ کی شخصیت بھی ہے جو اپنے ہم جھولیوں سے نمایاں ہوں گے اس لئے کہ آپ نے اپنے دور میں اپنے ہم جھولیوں میں سب سے زیادہ کتابیں تحریر فرمائیں طرفہ یہ کہ آپ کی ضخیم تصانیف کا تو کیا کہنا چھوٹے چھوٹے رسائل بھی ایسے اخبار بے مثل ذخار ہیں کہ ہمارے جیسوں کی بڑی تصانیف ان کے ایک رسالہ کے سامنے دریا بے کنار کا ایک قطرہ۔ فقیر نے اس دعویٰ کی دلیل میں رسالہ اعلیٰ حضرت کا قلمی جہاد پیش کیا ہے کہ الحمد للہ اہل علم نے اسے خوب سراہا۔

اب فقیر اس کی اشاعت عزیزم..... کے سپرد کرتا ہے۔ اللہ انہیں دارین میں شاد و آباد رکھے۔ (آمین)

بجاہ رحمۃ العلمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

فقط والسلام

مدینے کا بھکاری

الفقیر القادری ابوالصالح محمد فیض احمد اویسی رضوی غفرلہ

۲۳ محرم ۱۴۲۳ھ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّي وَنُسَلِّمُ عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ نے اپنی زندگی کی غرض خود بتائی آپ نے اعلان فرما دیا کہ مجھے تین کاموں سے دلچسپی ہے اور ان کی لگن مجھے عطا کی گئی ہے:-

(۱).....تحفظ ناموس رسالت سید المرسلین علیہم الصلوٰۃ والسلام کی حمایت کرنا۔

(۲).....ان کے علاوہ دیگر بدعتوں کی منہ کشی جو دین کے دعوے دار ہیں حالانکہ مقصد ہیں۔

(۳).....حسب استطاعت اور واضح مذہب حق کے مطابق فتویٰ نویسی۔ (الاجازۃ الرضویۃ المکتبۃ النبیۃ ۷۳، ۳۸ قلمی)

اپنی عظیم تصانیف میں بھی یہی فرمایا کہ فقیر کے سپرد ناموس رسالت کا تحفظ اور خدمتِ فقہ کی گئی جس کو یہ حسب استطاعت انجام دے رہا ہے۔ آپ نے ان گستاخانِ بارگاہ رسالت دہائیوں اور دیوبندیوں وغیرہ کے عقائد باطلہ کے رد میں دوسو سے زیادہ کتابیں تصنیف فرمائیں۔ (الدلائل المکیہ ص ۱۶۹)

اخلاقی مسائل میں عقائد حق اہلسنت کو ثابت کرنے کیلئے اور عقائد باطلہ کے رد کیلئے قرآن کریم، احادیث نبویہ اور فقہاء و علماء و صلحاء سے دلائل کے انبار لگا دیئے بعض مسائل پر دوسو سے زائد ویلیس پیش کیے کہ دشمن دین کے فرار کے تمام راستے بند کر دیئے۔ امام اہلسنت نے ان بے ادب دہائیوں اور دیوبندیوں کے بے ادبی کے قلعوں اور مرکزدوں پر قرآن و حدیث اور اقوال فقہائے کرام سے عظمتِ مصطفیٰ علیہ التحیۃ والفاء کے وہ حیر برسائے کہ ان بے ادبوں کے قلعوں کی اینٹ سے اینٹ بجادی ان کے فرار کے تمام راستے بند کر دیئے پھر ان کے تمام اقوال باطلہ اور عقائد ضالہ کی دھجیاں اڑا دیں۔ فرقبائے باطلہ بالعموم اور وہابی دیوبندی سب ہی کو امام اہلسنت فاضل بریلوی نے ایسا رازِ گماں کر دیا تھا کہ بچہ بچہ پہچان گیا تھا کہ یہ تمام باطل پرست اور گمراہ عقیدے رکھنے والے اور تمام وہابی اور دیوبندی توحید و رسالت کی توہین کرنے والے ہیں، اللہ عزوجل اور اس کے رسول معظم حضور سرور کائنات ارواحنا فداء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جناب میں بدترین بے ادبی اور گستاخی کرنے والے ہیں۔

عظمتِ الہی اور تعظیمِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر دلائل کا انبار لگاتے ہوئے آپ نے قدم بڑھایا اور دشمن دین کو لاکھارا کہ ۔

کلکِ رضا ہے خنجرِ خونخوار برقِ یار اعداء سے کہہ دو خیر منائیں نہ شر کریں

آپ نے نہایت جرأت و بہادری سے ناموس رسالت کے دشمنوں پر واضح کر دیا کہ ان کے ساتھ کوئی رعایت نہیں کی جائے گی۔ بارگاہِ مصطفیٰ میں گستاخیاں کرنے والوں کو ان کے کیفر کردار تک پہنچایا جائے گا آپ نے حق پرستوں کو آواز دی ۔

دشمن احمد پہ شدت کیجئے ملحدوں کی کیا مروت کیجئے

آپ نے اس جہاد میں قلم مبارک کے وہ جوہر دکھلائے اور اعدائے اسلام پر ایسی کاری ضربیں لگائیں کہ ممکن تلواری بھی ایسے کارنامے سرانجام نہ دے سکتی۔

اہل علم کو خوب معلوم ہے کہ دشمنان اسلام جس مسئلہ پر ایڑی چوٹی کا زور لگا کر سمجھے کہ یہ ایک ایسا مضبوط قلعہ ہے آسانی سے کوئی بھی اس کو نہ گرا سکے گا۔ امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ کے قلم نے اس کی ایسی دھجیاں بکھیریں کہ دشمن کا وہ مضبوط قلعہ ریت کی طرح بہہ گیا پھر ہمیشہ تک اس کا نام و نشان بھی نہ رہا۔

امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ کے اس جہاد پر کمر بستگی سے پہلے رافضیت اور خارجیت مسئلہ عقائد کا وجود خطرات میں ڈالے ہوئے ہیں کہ عشقِ مصطفوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جذبہ لاہوتی کو ختم کرنے کیلئے نجد کے صحراؤں سے ایک آندھی اٹھتی ہے۔ محمد بن عبدالوہاب کی تائید ہوتی ہے اور بہت سے سادہ لوح مسلمان توحید پرستی کے زعم میں رسول کو فراموش کر بیٹھتے ہیں جو کہ ایمان کی اساس ہے۔ مسلم زعماء دھڑا دھڑا ایسی تصانیف پیش کر رہے ہیں جن سے جہاد کی مذمت اور انگریز کی اطاعت کی تعلیم ملتی ہے۔ انگریزی سامراج کے سائے میں پرورش پانے والا ہندو مسلمانوں کو زبردستی ہندو بنانے کیلئے فرقہ وارانہ فسادات کی آگ بھڑکا رہا ہے۔ وطن پرستی کے نام پر ہندو مسلم علماء کے ایک طبقے کو شیشے میں اتار کر ہندو مسلم سکھ بھائی بھائی کا نعرہ لگا کر دو قومی نظریہ اسلام کی دھجیاں بکھیرنے پر تلا ہوا ہے۔ مسلم زعماء کی اسلامی بے حسی کا یہ عالم ہے کہ خلافت کی تحریک چلاتے ہیں تو برصغیر کے سب سے بڑے اسلام دشمن مسٹر گاندھی کو خیر و محراب کی زینت بنانے لگتے ہیں۔ مصلحت کے اسیران مسلمانوں کو سبھاش چند ریوس اور پنیل میں بھی عظمتِ اسلاف کی جھلکیاں نظر آتی ہیں مسلم تہذیبی اداروں میں ہندو سیاست کا مرکز بنا پا جا رہا ہے۔ اصلاح عقائد کے نام پر حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شخصیت آپ کے کردار اور امتناعی علم کو شیخ کیا جا رہا ہے۔ حتیٰ کہ امکان کذب باری کے سلسلہ میں خدا کی ذات بھی احتساب سے بالاتر نظر نہیں آتی۔ یہ دور کٹھن بھی ہے اور برفتن بھی۔ تحریک ترک سوالات کے نام پر پہلے سے پسماندہ مسلمان کے گھر لٹوائے جا رہے ہیں۔ مسائل بے شمار ہیں۔ گمراہ مصلحین ایک ہی وقت میں کس طرح دستیاب ہو سکتے ہیں۔

اہل ایمان روشنی کی کرن کیلئے تڑپ رہے ہیں۔ ۱۰ سوال الکنز ۱۲۷۲ھ کو حضرت مولانا تقی علی خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے گھر جنم لینے والے امام احمد رضا خاں محدث بریلوی کی صورت میں برصغیر کے مسلمانوں کو وہ شخصیت عطا ہوتی ہے جو گفتار کے غازی اور کردار کی دھنی ہے۔ جس کی زبان محبت رسول کی فیض تر جہان بن چکی ہے۔ اس دانائے راز کی نظر مسلمانوں کی سیاسی اخلاقی اور تہذیبی اجتری کے ساتھ ساتھ اسلام دشمن تحریکات پر بھی پڑتی ہے۔ اسکے ارادوں میں سنگ خارہ کی تختی اور سمندروں کی فراخی ہے۔ اس کا حوصلہ پہاڑوں سے سر بلند اور غیم انسانی کی وسعتوں سے ماورا ہے۔ اسے احساس ہے کہ اسے جو بھی جنگ لڑنا ہے اسے ایک ہی وقت میں کئی دشمنوں سے جنگ کرنا ہے وہ مدافعت کا ہی نہیں بلکہ غنیم کی صفوں پر آگے بڑھ کر حملہ کرنے کے انداز بھی جانتا ہے۔

امام احمد رضا خاں محدث بریلوی نے جب اسلامیاں برصغیر کے دلوں میں جھانک کر دیکھا تو انہیں یہ دل عشقِ مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کی حرارت سے محروم نظر آئے۔ اعلیٰ حضرت کے نزدیک عشقِ رسول وہ مرکزِ محور ہے جس کے گرد روحِ ارضی طواف کرتی ہے۔ اُمتِ حضور کے دلوں کو عقیدتِ رسول کی تپش سے آشنا کرنے کیلئے آپ نے اپنی تمام فکری، نظری، علمی، عملی، روحانی، قلمی اور ادبی و شعری صلاحیتوں سے کام لیا۔ اعلیٰ حضرت بجا طور پر سمجھتے تھے کہ جب تک اُمتِ اسلام عشقِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنا حاضرِ راہ نہیں بنائے گی اس وقت تک منزلِ آشنا نہیں ہو سکے گی۔ عشقِ مصطفوی کی شمعیں ضوئیں کرتے ہوئے جب آپ نے ماحول پر ایک نظر ڈالی، تو ایسی کتب کثیر تعداد میں نظر آئیں، جن میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تنقیص اور گستاخی کے پہلو غالب تھے۔ اس پر اعلیٰ حضرت کا دل ٹپ اٹھا۔ آپ نے ان کتب کے مصنفین کی توجہ کفریہ عبارات کی طرف مبذول کرائی، تو بجائے اس کے کہ یہ حضرات بارگاہِ مصطفوی میں معذرت طلب ہوتے انہوں نے اسے انا کا مسئلہ بنالیا اور اپنی گستاخانہ عبارات کی حمایت میں کتب پیش کرنے لگے۔ اعلیٰ حضرت کا قلم حرکت میں آیا اور آپ مجاہدانہ شان کے ساتھ میدان میں اترے ایک ہاتھ میں قرآن اور ایک ہاتھ میں حدیث، سر پر نصرتِ الہی کا سایہ اور مردانِ الہی کا دورِ سابق میں یہی حال رہا ہے چند نمونے ملاحظہ ہوں۔

۱..... امام ابو اسحاق اسفرائینی کو معلوم ہوا کہ بدعات ہو رہی ہیں پہاڑوں پر تشریف لے گئے ان علماء کے پاس جو مجاہدات میں مصروف تھے۔ انہیں فرمایا کہ سوکھی گھاس کھانے والا تم یہاں ہو اور اُمتِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فتنوں میں ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ امام یہ آپ ہی کا کام ہے ہم سے ہو نہیں سکتا۔ امام وہاں سے واپس آئے اور بد مذہبوں کے رد میں نہریں بہائیں۔ (المسئوۃ، ج ۱، ص ۸)

۲..... امام ابن حجر مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے لکھا ہے ایک عالم صاحب کی وفات ہوئی۔ ان کو کسی نے خواب میں دیکھا پوچھا آپ کے ساتھ کیا معاملہ ہے؟ فرمایا جنتِ عطا کی گئی نہ علم کے سبب بلکہ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ اس نسبت کے سبب جو کہتے کو راہی کیساتھ ہوتی ہے کہ ہر وقت بھونک بھونک کر بھیڑوں کو بھیڑے سے ہوشیار کرتا ہے۔ مائیں نہ مائیں یہ ان کا کام۔ فرمایا کہ بھونکے جاؤ بس اس قدر نسبت کافی ہے۔ لاکھ یا ضعیف لاکھ مجاہدے اس نسبت پر قربان جس کو یہ نسبت حاصل ہے اس کو کسی مجاہدے کی ضرورت نہیں اور اسی میں کیا ریاضت تھوڑی ہے جو شخص عزتِ نشین ہو گیا نہ اس کے قلب کو کوئی تکلیف پہنچ سکتی ہے نہ اس کی آنکھوں کو نہ اس کے کانوں کو۔ اس سے کہئے جس نے اٹھلی میں سر دیا ہے اور چاروں طرف سے موئل کی مار پڑ رہی ہے۔ (المسئوۃ، ج ۲، ص ۳۸)

امام احمد رضا خان (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

اب آپ امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کے شب و روز کا جائزہ لیں اور دیکھیں کہ انہوں نے کتنا عظیم مجاہدہ کیا ہے۔ پوری زندگی خدمت دین اور پیارے مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بھولی بھالی بھیتروں کو ہوشیار کرنے اور ہزاروں دین کی گالیاں سننے میں بسر کی ہے جس کا نقشہ اس سے پہلے والے عنوان میں پیش کر چکا ہوں اور یہ سلسلہ بعد وصال بھی جاری ہے ایک طرف ان کی تصانیف سے حفاظت دین و مسلمین ہوتی جا رہی ہے اور دوسری طرف مخالفین کی گالیوں کا بھی تانتا بندھا ہوا ہے، یہی وہ عظیم مجاہد تھا کہ ان کے مرعوب طریقہ نے کسی اور ریاضت کی ضرورت نہ سمجھی بلکہ خلافت و اجازت کیساتھ ترغیبتاً زبانی بخش دیا کہ روز قیامت اگر احکم الحاکمین نے فرمایا، آل رسول تو میرے لئے کیا لایا ہے؟ تو میں احمد رضا کو پیش کروں گا۔

۳..... علامہ ابن الجوزی رحمۃ الصلوٰۃ میں حضرت سفیان بن عیینہ کا ارشاد نقل فرماتے ہیں، **ارفع الناس منزلة من كان بين الله وبين عبادته وهم الانبياء والعلماء** لوگوں میں سب سے بلند مرتبہ وہ حضرات ہیں جو اللہ اور اس کے بندوں کے درمیان واسطہ ہوتے ہیں۔ یہ انبیاء ہیں اور علماء۔

ایک صحرائین خلوت گزریں عابد مرتاض صرف اپنے کو نارِ جہنم سے بچانے کی تدبیر کرتا ہے اور ایک مخلص و بے ریا صاحبِ ہمت و مجاہدہ عالم ربانی ایک جہاں کو عذابِ آخرت سے بچانے کی سعی کرتا ہے۔ بھلا یہ اس سے کم کیوں کر ہو سکتا ہے۔ یقیناً یہ اس سے افضل و اعلیٰ ہے بشرطیکہ جو کچھ کر رہا ہے اس سے اس کا مقصود ذاتِ احد اور خوشنودیِ خدا و رسول ہو اور یہ شرط تو خلوت گزریں عابد مرتاض کیلئے بھی ہے۔ **ذلك فضل الله يؤتيه من يشاء** (معارف رضا شمارہ دوم)

یہی وجہ ہے کہ امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ شعور سے لے کر تا وصال احیائے اسلام کیلئے نہ صرف شکرِ رب ہے بلکہ عملی طور جانِ قتیلی پر رکھ کر دشمنانِ اسلام کی سرکوبی فرمائی اور آپ کے بالمقابل بھی کوئی معمولی لوگ نہ تھے بلکہ وہ تو ہر طرح کے ہتھیاروں سے لیس تھے اور دنیوی اسباب کی انہیں کسی قسم کی کمی نہ تھی اور ادھر تنہا مردِ خدا امام احمد رضا۔ اس وقت جو آپ کو مخطرہ پیش آیا اپنے ایک شعر میں اسے یوں بیان فرماتے ہیں۔

بادل گرے بجلی ترپے دھک سے کلیجہ ہو جائے

بن میں گھٹا کی بھیا تک صورت کیسی کالی کالی ہے

یعنی بادل گرے بجلی ترپے اس کے خوف سے کلیجہ کانپ اٹھتا ہے دل پر خوف چھا جاتا ہے کہ جنگل ویران میں ہوں۔ اس شعر میں بھی اپنے دور کی سیاسی اور مذہبی زبونی کا حال ظاہر فرمایا ہے اور ساتھ ہی اشارہ فرمایا ہے کہ اسلام کو مٹانے کیلئے کتنا ہولناک اور بھیا تک ماحول تھا کہ دل کانپ جاتا ہے اور خوف سے کلیجہ پھٹنے لگتا ہے۔ اس کی تصدیق وہی حضرات کر سکتے ہیں جنہیں اس تاریک ماحول سے واقفیت ہے۔

سیاست کی پُر خار وادی

امام احمد رضا قدس سرہ کے دور کے سیاسی ماحول کا ایک مختصر خاکہ ملاحظہ ہو۔

آزادی کے متوالے شیع حریت پر پر داندہ وار ثار ہونے کیلئے میدان عمل میں آگے بڑھ رہے تھے۔ ایسے تاریخ ساز لحاظ میں بعض حضرات گاندھی کو ولی ثابت کرنے میں مصروف تھے مسلمانوں کے اس موذی دشمن کو مسجد و محراب میں لا کر منبر پر بٹھایا جا رہا تھا اسی دوران تحریک خلافت چلی اور اس کے ساتھ ہی تحریک ترک موالات کا بہت شہرہ ہوا، اگرچہ ان تحریکات میں مولانا محمد علی جوہر، مولانا شوکت علی، مولانا عبدالباری فرنگی محلی جیسے کئی مسلم رہنمائیں تھے مگر ان تحریکات کو گاندھی اور نہرو جیسے دشمن ہندو لیڈروں کی آئینہ دار حاصل تھی بھلا گاندھی کو خلافت اسلامی کے قیام سے کیا دلچسپی ہونی تھی وہ تو صرف خرمین اسلام کو جلا ہوا دیکھنا چاہتا تھا۔ ایسے عالم میں امام احمد رضا خاں نے کس طرح ملت اسلامیہ کی راہنمائی کی، اس کی ایک جھلک مشہور مورخ میاں عبدالرشید کی تحریر میں ملاحظہ کیجئے۔

آپ (اعلیٰ حضرت) کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے میدان سیاست میں نیشنلسٹ مسلمانوں کی سخت مخالفت کی۔ یہ وہ لوگ تھے جو ہندو مفادات کو تقویت پہنچا رہے تھے۔ حضرت بریلوی کا موقف یہ تھا کہ کافروں اور مشرکوں سے مسلمانوں کا ایسا اشتراک عمل نہیں ہو سکتا جس میں مسلمانوں کی حیثیت ثانوی ہو۔ انہوں نے گاندھی اور دوسرے ہندو لیڈروں کو مساجد میں لے جانے کی مخالفت کی کیونکہ قرآن پاک کی رو سے مشرکین نجس اور ناپاک ہیں۔ آپ قائد اعظم کی طرح تحریک عدم تعاون اور تحریک ہجرت دونوں کے مخالف تھے کیونکہ یہ دونوں تحریکیں اس براعظم کے مسلمانوں کے مفادات کے متافی تھیں۔ حضرت بریلوی کا کہنا تھا کہ نیشنلسٹ مسلمانوں کی ابھی ایک آنکھ کھلی ہے انہیں چاہئے کہ وہ دونوں آنکھیں کھولیں یعنی ابھی وہ صرف انگریز کی مخالفت دیکھ سکتے ہیں۔ ہندو کا تعصب اور عداوت نہیں دیکھ پائے۔ (جہان رضا مرتبہ مرید احمد چشتی ۱۳۵ھ)

امام احمد رضا خاں انگریز دشمنی کے ساتھ ہندو دشمنی کے بھی قائل تھے۔ ہندوؤں نے مسلمانوں کا دکھاوے کیلئے جب بھی ساتھ دیا تو ساتھ ہی ترک گاؤ کشی کا مطالبہ بھی کر دیا۔ تحریک خلافت اور پھر تحریک ترک موالات کے زمانے میں (۱۹۱۹ء تا ۱۹۳۲ء) ترک گاؤ کشی کا مطالبہ بھی کیا گیا تو مسلم عمائدین نے سیاسی پلیٹ فارم سے اس کی تائید کر دی۔ اعلیٰ حضرت نے ہندوؤں کے مخفی عزائم کو بھانپ کر ان کی دکھاوے کی دوستی اور مسلم عمائدین کی ہندو نوازی کا بھرم کھول کر سلطنت اسلامیہ کیلئے ہمواری کی۔ تحریک آزادی ہند کے ایک دور میں بعض علماء ہندوستان کو دارالحرب قرار دے کر مسلمانوں کو ہجرت پر اکساتے رہے۔ اس ہجرت کا فائدہ ہندوؤں کو ہی پہنچا۔ کسی ہندو نے ہندوستان نہ چھوڑا بلکہ یہ ملک چھوڑنے والوں کی جائیدادیں اونے پونے داموں میں خریدتے رہے اور جب یہ خود ساختہ مہاجرین ذلت و خواری کے بعد واپس آئے تو ان کیلئے گھر اور گھاٹ دونوں کا تصور خواب بن چکا تھا۔

چھٹے امیر تو بدلا ہوا زمانہ تھا

رسالہ اعلام الاعلام، انفس القلک فی قربان البقر اور دام العیش میں ان ہی مسائل کے بارے میں بحث ملتی ہے۔ امام احمد رضا خاں سے ترکی کے حکمران کی حالت چھپی نہ تھی۔ وہ اسے سلطان تو سمجھتے تھے مگر خلافت اسلامیہ کے سربراہ ہونے کے ناطے خلیفہ المسلمین ماننے کو تیار نہیں تھے۔ آپ کے نزدیک شریعت اسلامیہ میں خلیفہ اسلام کیلئے شرائط اور ان کی اتباع و حمایت کے احکام جدا جدا تھے۔ قدرت نے حضرت بریلوی کے موقف کی اس طرح تائید کی کہ ہندوستانی علماء تو گامدھی کو ساتھ ملا کر نام نہاد خلافت کیلئے جدوجہد کرتے ہوئے اسلام کے بہت سے بنیادی اصولوں سے روگردانی کرتے رہے اور ادھر ترکی کے اندر مصطفیٰ کمال پاشا نے باطل قوتوں کے خلاف آگ اور خون کے دریا عبور کرتے ہوئے ترکی کی نشاط ثانیہ کی بنیاد رکھ دی اور خود ہی خلافت کے خاتمہ کا اعلان کر دیا۔ کمال اتاترک کا یہ اعلان اعلیٰ حضرت بریلوی کی فقہی بصیرت، سیاسی پختگی، دینی استواری اور مستقبل بینی کا ثبوت تھا۔ یوں معلوم ہو رہا تھا کہ آپ کی مسلمانوں کی بہبودی کیلئے تدابیر خدا کی تقدیر کا پتہ تولے ہوئے تھیں کہ ۔

ڈھلتے ہیں مری کارمہ فکر میں انجم لے اپنے مقدر کے ستارے کو تو پہچان

جب سورج چمکنے لگتا تو اس کی روشنی کو کم کرنے کیلئے سائے منڈلانے لگتے ہیں مگر وہ اس حقیقت سے بے خبر ہوتے ہیں کہ

سورج کا ہے کام چمکنا سورج آخر چمکے گا

آپ کے حاسدین اور معاندین نے آپ کی ہندو دشمنی اور گستاخانہ عبارات پر ان کو ٹوکنے کی پاداش میں آپ پر انگریز دوستی کے الزام عائد کرویا۔ جب اس الزام کی نوعیت اور اس سے متعلق امور کا جائزہ لیا گیا تو یہ عاشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دوسرے تمام حریت پسندوں سے بڑھ کر انگریز دشمن ثابت ہوا۔ آپ کے مزاج آشنا سید الطاف علی بریلوی اس صورت حال کا یوں جائزہ لیتے ہیں۔

سیاسی نظریے کے اعتبار سے حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب بلاشبہ حریت پسند تھے۔ انگریز اور انگریزی حکومت سے دلی نفرت تھی۔ شمس العلماء قسم کے کسی خطاب وغیرہ کو حاصل کرنے کا ان کو یا ان کے صاحبزادگان مولانا حامد رضا خاں، یا مصطفیٰ رضا خاں صاحب کبھی تصور بھی نہ ہوا۔ والیان ریاست اور حکام وقت سے بھی قطعاً راد درسم نہ تھی۔ (گناہ بے گناہی، ص ۴۴)

اور ڈاکٹر سید الطاف حسین کے لفظوں میں:

تاریخ میں اس سے بڑا جھوٹ کبھی نہ بولا گیا ہو کیونکہ حقیقت اس کے قطعاً برعکس تھی۔

بد مذہبی محاذات

امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ کو زندگی میں جن محاذات مذہبی سے مقابلہ رہا، ان کی مختصر روئداد حاضر ہے۔

۱..... مرزائی قادیانی محاذ

انگریز کا خودکاشٹہ پودا قادیانیت کی صورت میں زمین میں جڑیں پکڑ رہا تھا۔ انگریز کی حکومت ہر ممکن طریق سے قادیانیت کو نواز رہی تھی تاکہ مسلمانوں کی مرکزیت یعنی عشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دم توڑ جائے۔ ناسمجھی یا کم فہمی کی بنا پر بعض دیوبندی اور اہلحدیث علماء کی تحریریں بھی ان کو جواز مہیا کر رہی تھیں۔ اس دور پر آشوب میں امام احمد رضا کی تصنیف الجواز الدیانی علی المرتد القادیانی (۱۳۲۰ھ) قول فیصل بن کر طلوع ہوئی۔ آپ کی باگب درانے قادیانیت کے ایوانوں میں لرزہ طاری کر دیا۔ اس کے علاوہ السوء والعقاب (۱۳۲۰ھ) المسبین ختم العین (۱۳۲۶ھ) اور قہر الدیان علی مرتد بقادیان جیسے علمی و فتنی شہ پارے تخلیق کر کے ثابت کر دیا کہ مرزا غلام احمد قادیانی نبی اور مجدد تو کجا ایک عام انسان کے معیار پر بھی پورا نہیں اترتا۔ ایسے عالم میں جبکہ حکومت وقت قادیانیوں کو زبردست مسلمان قرار دینے پر تلی ہوئی ہو اور علامۃ الناس بھی انگریز کے اس فرزند کے سیاسی مضمرات سے غیر آگاہ ہوں، اعلیٰ حضرت کی تحریروں نے بے شمار بھولے بھٹکے مسلمانوں کو پھر سے جادہ حق پر گامزن کر کے عشق سلطان مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دولت لاندال سے بہرہ ور کر دیا۔

امام اہلسنت کیلئے کھن ترین مسئلہ اپنے اسلاف کے مسلہ عقائد و نظریات کی تبلیغ و ترویج تھی قدرت ان کو ناموس مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاسداری کیلئے منتخب کر چکی تھی۔ اعلیٰ حضرت تو عشق کے بندے تھے۔ وہ کسی کو بھیڑنا یا کسی کی دل آزاری کرنا نہیں چاہتے تھے لیکن جہاں ناموس رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خطرے میں ہو، جہاں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شخصیت کو مسخ کرنے کیلئے مختلف ہتھکنڈے آزمائے جا رہے ہوں، جہاں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نورانیت، بے مثال بشریت، علم غیب کو بازوچہ اطفال بنا کر رکریک عبارات لکھی جا رہی ہوں، جہاں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خصائص و فضائل سے انکار کیا جا رہا ہو، جہاں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے محاسن قدسی کو نشانہ بنانے کیلئے بے محل تراکیب اور توہین آمیز تشبیہات و استعارات سے کام لیا جا رہا ہو۔ وہاں آقائے دو عالم افتخار آدم و بنی آدم حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ قلام کہ جسے عبدالمصطفیٰ ہونے کا دعویٰ تھا کب تک خاموش رہتا اور کیوں خاموشی اختیار کرتا؟ اگر اعلیٰ حضرت خاموش رہتے تو ان کی خاموشی منافقت اور مصلحت اندیشی کا دوسرا نام ہوتی۔ وہاں تو آتش نمرود آپ کو کردار ظلیل کیلئے آمادہ کر رہی تھی کہ۔

اگرچہ بت ہیں جماعت کی آستینوں میں مجھے ہے حکم اذان لا الہ الا اللہ

یہی حکم اذان اب امام احمد رضا کا مقدر بن چکا تھا۔ آپ نے گالیاں کھائیں، مخالفین نے آپ پر بدعتی اور مشرک ہونے کے فتوؤں کی بوچھاڑ کردی، شیشے کے گھروں کے مکین آپ کے سخت دشمن تھے۔ آپ کی شخصیت کو مسخ کیا جا رہا تھا، آپ پر پکھروں میں مقدمے چلائے جا رہے تھے، دشمنوں نے انگریزی تھانوں میں رپٹ لکھوا دی تھی۔

کہ اکبر نام لیتا ہے خدا کا اس زمانے میں

مگر اس مرد حق آزما کے پائے استقلال میں لغزش نہ آئی۔ گالیوں کا خراج وصول کرتا رہا۔ اغیار کی سنگباری پر مسکراتا رہا۔ وہ جانتا تھا کہ یہ تمام ابتلائیں عقیقہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بالاتری کے نام پر اس پر نازل ہو رہی تھیں۔ اب فقط عداوت کا وقت نہیں رہا تھا بلکہ حریفوں کے قلعوں پر ضرب کاری لگانے کا وقت تھا۔ سلطان دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت اس پر سایہ لگن تھی رحمت خداوندی شامل حال تھی۔ اس نے زبان سے ڈھال کا اور قلم سے تلوار کا کام لیا اور تمام باطل قوتوں کو لاکارتے ہوئے کہا۔

کلک رضا ہے خنجر خوں خوار برق بار اعدا سے کہہ دو خیر منائیں نہ شر کریں

عظمت و شان مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اجاگر کرنے کیلئے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے عاشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہونے کا حق ادا کر دیا۔ آپ نے خصائص مصطفویٰ اور مقامات نبوت کے نام پر درجنوں کتب تصنیف کیں۔ آپ نے اور آپ کے شاگردوں اور متاثر علماء نے بے شمار مناظرے کئے۔ مگر آپ نے کہیں بھی سو قیادہ یا رکیک زبان استعمال نہیں کی البتہ اس زبان پر ضرور اعتراض کیا جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں اغیار نے استعمال کی۔

قادیانیت اور گستاخان رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا تعاقب جاری رکھنے کیساتھ ساتھ آپ نے رافضیوں اور خارجیوں کے نظریات پر بھی قرآن و سنت کی روشنی میں مثبت تنقید کی۔ اٹھارہ عشری حضرات جب اہل بیت کے نام پر عاشقانِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہمدردیاں حاصل کر رہے تھے اور ڈرتے تھے کہ یہ فتنہ ملتِ احناف کی صفوں میں رخنہ اندازی کا باعث نہ بن جائے اس مقصد کی خاطر آپ نے رد الرقضۃ (۱۳۲۰ھ) الادلۃ الطامعۃ (۱۳۰۶ھ) اور رسالہ تعزیہ داری (۱۳۳۱ھ) تصنیف فرمائے۔ ان کتب میں آپ نے شیعہ حضرات کو صراطِ مستقیم پر گامزن کرنے کیلئے ان کی رسوم اور بہت سے عقائد کو وینِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے متصادم قرار دیا۔ شیعہ حضرات کی اصلاح کیلئے آپ نے اور بھی کئی رسائل لکھے۔ اس ضمن میں بعض رسائل اہلسنت و جماعت کی اصلاح عقائد کیلئے تحریر فرمائے کہ اور کوئی تحریک اصلاح کے پردے میں ان کی تحریک کا سامان مہیا نہ کر دے۔

رات بہت سے جاگے صبح ہوئی آرام کیا

کے مصداق غفلت کی نیند سو رہے تھے۔ اعلیٰ حضرت نے کاروانِ عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیلئے حدی خوان کا کردار کیا۔ آپ نے نہ صرف ان کفریہ عبارات کا رد کیا بلکہ سلطانِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مقام و مرتبہ اور خصائل و فضائل واضح کرنے کیلئے درجنوں تحقیقی اور تاریخی کتب تصنیف فرمائیں۔ آپ کا لفظی مجموعہ **حدائقِ عشق** حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کامل دستاویز ہے۔ عشقِ رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ضمن میں آپ کے بدترین مخالف بھی آپ کی رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے محبت کو آپ کیلئے توشہ آخرت جانتے تھے۔ اعلیٰ حضرت کے وصال پر جناب اشرف علی تھانوی کا اظہارِ تعزیت اور آپ کے عشقِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جذبہ کو خراجِ پیش کرتا ہے کہ میرے دل میں احمد رضا کا بے حد احترام ہے وہ ہمیں کافر کہتا ہے لیکن عشقِ رسول کی بنا پر کہتا ہے کسی اور غرض سے تو نہیں کہتا۔ (چٹان لاہور ۱۳۳۱ء پر پبل ۱۹۶۱ء)

خلاصہ یہ کہ وہ ایک فرد اوصد تھا مگر پوری ملت کا ترجمان وہ ایک مرد حق تھا مگر پوری ملتِ اسلامیہ کے عقائد کا پاسان وہ غوثِ الاعظم کے پرچم بردار، امامِ اعظم ابو حنیفہ کے مسلک کا پاسدار، غزالی کے تدریکِ افکار، رازی کی گرہ کشائیوں کا استاد، شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی تعلیمات کا شارح، مجددِ الق تانی شیخ احمد سرہندی کی شانِ تجدید کا آئینہ دار، امامِ فضل حق خیر آبادی کی حق گوئی کا علمبردار اور علامہ کفایت علی کافی کے عشقِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دُرِ شاہوار تھا۔ اس کا اپنا کوئی نہیں تھا وہ تو عمر بھر عظمت و شانِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیلئے مصروفِ جہاد رہا، وہ کسی سے فرقے کا بانی نہیں تھا بلکہ وہ تو زندگی کی آخری ساعتوں تک اسلام کی نشاۃ ثانیہ کیلئے جو عمل رہا۔ وہ کسی جدید نظریے کا خالق نہیں تھا بلکہ اس کے دل کی ڈھڑکنیں گنبدِ خضراء کی نورانی طلعوں سے حیاتِ نو لیتی رہیں مگر اس کے باوجود اس کا نام برصغیر پاک و ہند میں ہی نہیں بلکہ پورے عالمِ اسلام میں سنیّت کا اظہار اور عشقِ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اعزاز بن چکا ہے۔ اب وہ محض ایک شخص نہیں رہا بلکہ اس کا نام لیتے۔ پوری صدی کی داستانِ عشق و عقیدت کا ایک ایک ورق ہماری عقیدتوں کا خراج لے کر اس کے وجودِ تہا کو پوری صدی پر محیط کر دیتا ہے۔

آخر وہ مجددِ ملت جو ٹھہرا آخر وہ ہمہ صفت موصوف جو ٹھہرا

دیگر مذہبی محاذات

یہ محاذات جن کا فقیر نے مختصر لفظوں میں ذکر کیا ہے جو بین الاقوامی طور مشہور ہیں پھر ان کی ذیلی ٹولیاں کو دیکھا جائے تو وہ بھی درجنوں نظر آئیں گی ان کے علاوہ دیگر چھوٹے چھوٹے محاذ بھی ملک میں قائم ہوئے جو بظاہر تو چھوٹے تھے لیکن قوت و طاقت کے لحاظ سے بڑے مضبوط اور موٹے تھے مثلاً ندوہ کا قتنہ، سجدہ، تعطیسی کا سجدہ اور غلط مسائل و عقائد فاسدہ کا قتنہ مثلاً ایک جماعت نے کہہ دیا کہ حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم علی الاطلاق افضل نہیں یا پیر پرستوں کے ایک گروہ نے کہہ دیا کہ سیدنا احمد رفاعی حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے افضل ہیں وغیرہ وغیرہ۔ امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ نے خدا داد صلاحیت سے تمام فتنوں کو نہ صرف دبا دیا بلکہ انہیں مٹا کر رکھ دیا۔

حاسدین کی بھر مار

میرے نزدیک انسان کو سب سے زیادہ دکھ حاسدین سے پہنچتا ہے بالخصوص جتنا مراتب بلند ہوں حاسدین بھی اتنا قدر زیادہ ستاتے ہیں چنانچہ یہی کیفیت امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ کو پیش آئی۔ خود فرماتے ہیں۔

اک طرف اعدائے دیں اک طرف ہیں حاسدیں

بندہ ہے تنہا شہا تم پہ کروڑوں درود

صدمات

ظاہر ہے جو کسی محاذ میں مقابلے پر آئے تو اسے سخت صدمات کا سامنا ہوتا ہے۔ امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ کو بھی محاذات میں صدمات کا سامنا ضروری تھا سب کو بیان کروں تو اس کیلئے دقاتر چاہئیں۔ نمونہ کے طور ایک واقعہ پیش کروں جو آپ کو حاسدین کی طرف سے صدمہ پہنچا۔

جناب سید الطاف علی بریلوی اپنی آنکھوں دیکھا حال تحریر فرماتے ہیں کہ خود مولانا صاحب کے یہاں ۲۰ ربيع الاول کو خاص الخاص اہتمام سے محفل میلاد ہوتی جس میں یہ قاعدہ تھا کہ داڑھی رکھنے والوں کو تبرک کا ڈبل حصہ اور بے داڑھی والوں کو ایک حصہ دیا جاتا۔ کم عمری کی وجہ میں بے ریش و برود تھا۔ اسلئے مجھ کو بھی وہی حصہ ملتا تھا۔ مولانا کے مدرسہ میں قرب و جوار کے طلباء کے علاوہ آسام، بنگال، پنجاب، سرحد، سندھ اور افغانستان تک کے تشنگانِ علوم و بیہ پڑھتے تھے۔ جنہیں کتب درسی اور قیام و طعام کی سہولت مہیا کی جاتی۔ بکثرت طالب علم شہر کی مساجد کی امامت کرتے۔ انہیں کے حجروں میں قیام کرتے اور اہل محلہ ان کے کفیل ہوتے تھے۔ بعض ذہین طلباء شہر کے بازاروں میں آریہ ساجیوں اور عیسائی مشتریوں سے آئے دن مناظرے بھی کرتے تھے۔ ایک دارالافتاء بھی تھا جو استخانات کی روشنی میں ملک کے طول و عرض میں فتوے ارسال کرتے، مسلمانوں کے باہمی تنازعات کو بھی شرع شریف کی رو سے طے کرایا جاتا، اور ہزاروں لوگ مقدمہ بازی کی تباہ کاریوں سے بچ جاتے۔ حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب کی عظمت روحانی اور ان کے فیصلوں کو بے چون و چرا مخالف فریق تسلیم کرتے تھے۔

حضرت کا معمول تھا کہ بعد نماز عصر مسجد کے شمال مشرقی حصہ میں جہاں ایک سایہ دار درخت بھی تھا، تشریف فرما ہوتے۔ اس مجلس میں حاضری کی اجازت عام ہوتی، بلا روک ٹوک ہر شخص سوال کر سکتا تھا۔ یہ برکت صحبت مغرب کی اذان تک جاری رہتی۔ مولانا صاحب کی اس مسجد میں جمعہ کے روز بھی خاصی بھینڑ بھاڑ اور رونق ہوتی، جس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ نماز کیلئے ساڑھے تین بجے کا وقت مقرر تھا۔ سارے شہر کے وہ حضرات جو اپنے محلوں کی مسجد میں کسی مجبوری سے بروقت نماز نہ پڑھ سکتے وہ یہاں آ جاتے۔ مولانا کے ہی ایک مرید کڑھ مانرائے کے قریب گلی حکیم وزیر علی کی ایک چھوٹی سی مسجد میں ساڑھے بارہ بجے نماز جمعہ پڑھاتے تھے۔ جس میں ایسے تمام لوگ آتے جنہیں ریل کے سفر یا کسی اور مجبوری کے باعث جلد نماز جمعہ سے فارغ ہو جانے کی ضرورت ہوتی تھی۔

مولانا مالی اعتبار سے بہت ذی حیثیت تھے۔ معقول زمینداری تھی جس کا تمام تر انتظام ان کے چھوٹے بھائی مولوی محمد رضا خاں صاحب کرتے تھے۔ مولانا کے اہل خاندان کے محلہ سوداگراں میں بڑے بڑے مکانات تھے۔ بلکہ پورا محلہ ایک طرح سے انہیں کا تھا۔ محلہ کے چاروں طرف ہندوؤں کی زبردست آبادی تھی۔ کوئی ایک راستہ بھی ایسا نہ تھا جس کے ہر دو جانب کثیر التعداد ہندو نہ رہتے ہوں، لیکن مولانا صاحب کا وقار جلال کچھ اس طرح کا تھا کہ ہندو مسلم فسادات کی سخت کشیدہ فضا میں بھی کبھی کوئی ناگوار واقعہ پیش نہ آیا۔ تقسیم ملک کی ہولناکیوں کا دور بھی گزر گیا اور ان کے چھوٹے صاحبزادے جناب مصطفیٰ رضا خاں صاحب اور جملہ اعزہ متوسلین بخیر و عافیت رہے۔ جسے میں قوتِ ایمانی اور ۔

دشمن اگر قوی ست غلبہاں قوی ترست

کا ایک نادر کرشمہ خیال کرتا ہوں۔ سیاسی نظریہ کے اعتبار سے حضرت مولانا احمد رضا خاں بلاشبہ حریت پسند تھے انگریز اور انگریزی حکومت سے دلی نفرت تھی۔ شمس العلماء قسم کے کسی خطاب وغیرہ کو حاصل کرنے کا ان کو یا ان کے صاحبزادگان مولانا حامد رضا خاں صاحب و مصطفیٰ رضا خاں صاحب کو کبھی تصور بھی نہ ہوا۔ والیان ریاست اور حکام وقت سے بھی مطلق راہ و رسم نہ تھی۔ بلکہ بقول الحاج سید ایوب علی صاحب مرحوم (جن کو ۲۶ سال تک پیش کار رہنے کا شرف ملا) حضرت مولانا ڈاک کے لفافے پر ہمیشہ الٹا لٹ لگاتے تھے۔ یعنی ملکہ و کٹوریہ، یادورو، ہفتم اور جارج پنجم کے سر نیچے۔ اسی طرح حضرت کا عہد تھا کہ وہ کبھی انگریز کی عدالت میں نہ جائیں گے۔ اس کا سب سے زیادہ مشہور واقعہ جو میرے مشاہدہ میں آیا علمائے بدایوں سے نماز جمعہ کی اذان ثانیٰ نزد منبر یا صحن مسجد میں ہو، کے مسئلہ پر اختلاف تھا۔ جس کی بناء پر مقدمہ بازی تک نوبت پہنچی۔ اہل بدایوں مدعی تھے اور انہوں نے اپنے ہی شہر کی عدالت میں استغاثہ دائر کیا تھا۔ مولانا صاحب کے نام عدالت سے سمن آیا، اس پر حاضر نہ ہوئے تو احتال گرفتاری کی بناء پر ہزاروں عقیدت کیش مولانا صاحب کے دولت خانہ میں جمع ہو گئے۔ نہ صرف جمع ہوئے بلکہ آس پاس کے سڑکوں اور گلیوں میں باقاعدہ ڈیرے ڈال دیے۔ دن رات اس عزم کیا تھا جو کسی ہونے لگی کہ جب وہ سب اپنی جانیں قربان کر دیں گے تو قانون کے کارندے مولانا کو ہاتھ لگائیں گے فداکاروں اور جانثاروں کا ہجوم جب بہت بڑھ گیا اور محلہ سوداگراں میں تل دھرنے کو جگہ نہ رہی تو گھنی آبادی سے دور مسجد نو محلہ کے قریب ایک کوٹھی میں حضرت کو منتقل کر دیا گیا۔ اس کوٹھی کے سامنے گورنمنٹ ہائی اسکول کا نہایت وسیع کپاؤ ٹل تھا۔ جس میں کئی لاکھ آدمی ساکت تھے، اسی کشاکش کے دوران بدایوں کی پچھری میں مقدمہ کی پیشیاں ہوتی رہیں، جن میں بکثرت لوگ بریلی سے بھی جاتے تھے۔ اہل بدایوں کا بھی خاصا اجتماع ہوتا۔ ایک دوسرے کے بالقابل کمپ لگتے اور ہر لمحہ باہمی تضادم کا خوف رہتا۔ ایک پیشی کے موقع پر میں بھی اپنے چچا صاحب کے ہمراہ گیا تھا اور وہاں پہلی اور آخری بار میں نے اس دور کے مشہور ماہر قانون جناب مولوی حشمت اللہ بارایت لاء کو دیکھا۔

یہ سرسید کے دوست تھے۔ ۱۸۹۲ء میں آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے اجلاس ہفتم دہلی کے صدر ہوئے۔ فی الوقت میں وثوق سے نہیں کہہ سکتا لیکن میرا خیال ہے کہ مولوی حسرت اللہ صاحب ہی کی کوشش سے مقدمہ مذکور اس طرح خارج ہو گیا کہ حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب کی آن قائم رہی۔ یعنی وہ ایک مرتبہ بھی حاضر عدالت نہ ہوئے اور نہ انہوں نے زبانی یا تحریری کسی قسم کی معذرت خواہی کی کیونکہ بعد ازاں انتہائی پیانہ پر مبارک باد یوں کا سلسلہ کئی ہفتے جاری رہا۔ محلہ محلہ اور کوچہ کوچہ سے جلوس نکل کر سڑکوں پر اس طرح گشت کر کے مولانا صاحب کے دولت کدہ پر پہنچے کہ چھڑکاؤ ہوتا جاتا۔ گلاب پاشی ہوتی اور میلاد خوانوں کی ٹولیاں گلوں میں ہاڑ ڈالے جھوم جھوم کر جوش و خروش کے ساتھ خود مولانا کا نعتیہ کلام بلاغت نظام پڑھتے جاتے، مٹھائی اور ہار پھولوں کی خوان پوش سینیاں بھی جاتیں، جو منزل مقصود پر حضرت کی خدمت اقدس میں پیش کر دی جاتیں۔ حضرت ان سب چیزوں کو مجمع میں تقسیم کرا دیتے۔

دوسرا واقعہ

اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں کی زندگی کا تاریخی اہمیت رکھنے والا واقعہ تحریک خلافت و ترک موالات کے تحت ہندو مسلم اتحاد یعنی ہندوستان میں ہر دو اقوام کی متحدہ قومیت کی تحریک کی پُر زور مخالفت تھی۔ اس وقت صورت یہ تھی کہ جنگ طرابلس و بلقان المیہ مسجد کانپور اور پہلی جنگ عظیم میں سلطنتِ ترکی کی مکمل تباہی نے علامہ المسلمین کو انگریزوں سے حد درجہ بدظن کر دیا تھا۔ ہندو بھی بعد از جنگ حکومت کی جانب سے موجودہ حکومت کو خود اختیاری نہ دینے جانے اور جلیا نوالہ باغ کے ہولناک قتل عام کی وجہ سے سخت مشتعل تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ انگریزوں کے خلاف تحریک ترک موالات اور تحریک خلافت زور شور سے شروع ہو گئی جس میں ہندو اور مسلمان متفقہ طور پر بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہے تھے۔ ہندو مسلم بھائی بھائی اور متحدہ قومیت کا جذبہ اس قدر عروج کو پہنچ گیا تھا کہ آریہ سماجی لیڈر شرودھانند جیسے اسلام دشمن کو جامع مسجد دہلی میں تقریر کیلئے لاکھڑا کیا گیا۔ انگریز وحشی میں جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا۔ مولانا احمد رضا خاں صاحب اور ان کے قہرین بھی کسی سے پیچھے نہیں تھے۔ لیکن ان کے یہاں ہندو دوتی بھی پسند نہیں کی جاتی تھی اور وہ مشرکین سے موالات کو ملت اسلام کیلئے خود کشی کے مترادف سمجھتے تھے۔ لہذا انکی جانب سے مخالفت کا زبردست دھماکہ ہوا ایسا دھماکہ کہ تھوڑے ہی عرصہ میں اس کی گونج دور دور تک پہنچ گئی۔ مولانا کو یقین تھا کہ مسلمان ہندو قومیت میں ضم ہو گئے تو نہ صرف ان کا دین و ایمان خراب ہو جائے گا بلکہ ان کا سیاسی مستقبل بھی تاریک ہو جائے گا۔ انگریزوں کے جانے کے بعد جو جمہوری نظام حکومت قائم ہوگا اور مذہبی بنیاد پر اکثریت و اقلیت کا تعین ہوگا۔ اس میں مسلمانوں کی نمائندگی برائے نام رہ جانے کے باعث وہ اپنے قومی وطنی شخص سے بالکل محروم ہو جائیں گے۔ ان کا مذہب، کلچر اور زبان سب فنا کے گھاٹ اتر جائیں گے۔ اسی تاثیر کے تحت امام اہل سنت مولانا احمد رضا خاں اور ان کی جماعت اہلسنت کے ارکان و اکابر نے ہندوستان کے طول و عرض

کے دورے کئے۔ گھر گھر پیغام حق پہنچایا۔ کانگریسی مسلمانوں، بالخصوص جمعیۃ العلماء ہند اور فرنگی محلی علماء سے بڑے بڑے معرکہ مناظرے اور مقابلے ہوئے اور یہ ان کی حق گوئی کا نتیجہ تھا کہ چند سال نہ گزرنے پائے تھے کہ ہندو مسلم موالات کا طلسم ٹوٹ گیا، روزمرہ کی زندگی اور سرکاری و نیم سرکاری محکموں میں ہندوؤں کی چار حاند بالاسنی اور خود غرضی کھل سامنے آگئی۔ شہسی سنگٹھن کی قابل نفرت تحریک نے بھی جنم لے کر آنا فانا ہونا ک صورت اختیار کر لی۔ بظاہر غیر متعصب ہندو کانگریسی رہنماؤں کی مسلم دوستی کی بھی نہرو رپورٹ کی شکل میں حقیقت عیاں ہو گئی۔

ان حقائق کی روشنی میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جو دو قومی نظریہ پیش کیا تھا۔ اس کو پورے زور شور کے ساتھ عملی جامہ حضرت مولانا احمد رضا خاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور ان کے عقیدت کیشوں نے پہنایا، بعد ازاں محمد علی جناح نے ۱۹۳۶ء سے اس نظریہ کو نہایت منظم بنیادوں پر پایہ تکمیل کو پہنچایا اور پاکستان وجود میں آیا۔

فانی ز حیات من آشفته چہ پر سدا! مرگے است کہ از سستی جاوید پیام است

(ماہنامہ ترجمان لاٹانی علی پور شریف)

خاتمہ

اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے قلمی جہاد کی برکت ہے کہ آج سنی مذہب بھرویوں کے مکر و فریب سے محفوظ ہیں، بلکہ یہ اعلیٰ حضرت کی کرامت ہے کہ جو بھی کہیں بھی مسائل و عقائد اہلسنت سے سرشار ہے اسے مخالفین بریلوی کہتے ہیں اگرچہ وہ اعلیٰ حضرت کا نام تک نہ جانتا۔ بلکہ فقیر نے آنکھوں سے ایسے بھی دیکھے کہ اعلیٰ حضرت سے دشمنی کا اظہار کرتے ہیں تب بھی مخالفین کے اس لقب سے نہیں بچ سکتے۔

دور حاضرہ میں اعلیٰ حضرت کی تحقیق کے خلاف تحریک چلائی جا رہی ہے کہ بریلوی مکتبہ فکر کے لوگ اعلیٰ حضرت کے خلاف اپنی تحقیق کو ترجیح دیں لیکن یہ بھی اپنا نقصان کریں گے اور آخرت میں زسوا ہوں گے، لیکن اعلیٰ حضرت کا نام زندہ اور تابندہ رہے گا۔

جب تک آسمان پر چاند رہے گا اعلیٰ حضرت چمکتا ترا نام رہے گا

مدینے کا بھکاری الفقیر القادری

ابوالصالح محمد فیض احمد اویسی رضوی غفرلہ

۲۷ محرم ۱۴۴۳ھ

بہاول پور۔ پاکستان